سلسلہ مطبوعات مجلس
۷۶

سلسلہ نمبر (۷)

محبت فاتحِ عالم

مولانا ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

باردوم

۱۳۹۸ھ — ۱۹۷۸ء

کتابت ——————— ظہیر احمد کاکوروی

طباعت ——————— نامی پریس لکھنؤ

قیمت ——————— ۲۵ پیسے

باھتمام

محمد غیاث الدین ندوی

ناشر و طابع

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

(دارالعلوم ندوۃ العلماء)

پیش لفظ

آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ نے اقبال کے مشہور شعر ؎

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

کی تشریح میں مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی کی یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم پر علیحدہ علیحدہ تین تقریریں نشر کی تھیں، "محبت فاتح عالم" کے موضوع پر جو تقریر ہوئی تھی، وہ یہاں شائع کی جارہی ہے، یہ تقریر بہت پسند کی گئی تھی، حالات کا تقاضا ہے کہ یہ تقریر بار بار شائع کی جائے اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو، امید ہے کہ یہ دلچسپی اور ذوق سے پڑھی جائے گی اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔

محمد رابع ندوی
(سکریٹری مجلس تحقیقات و نشریات اسلام)

۲۸ ر ۲ ر ۹۴ ھ ۲۳ ر ۳ ر ۷۴ ء

محبت فاتح عالم

محبت کو اقبال نے فاتح عالم کہا ہے، اس سے ہمارا ذہن ان فاتحین عالم اور کشور کشاؤں کی طرف جاتا ہے، جنھوں نے اپنے زور بازو یا نوک شمشیر سے ملک فتح کیے اور ہزاروں لاکھوں انسانوں کے جسم پر (اکثر ان کی مرضی کے خلاف) حکومت کی، بہت سے فلسفیوں اور دانش وروں نے دماغوں کو تسخیر کیا، زبانوں کو گنگ کر دیا، دلائل کے لشکروں کو شکست فاش دی اور اپنے دماغی تفوق اور علمی فتح کا سکہ بٹھا دیا، بہت سے دولتمندوں اور سرمایہ داروں نے بہت سے لوگوں کی زبانوں پر سونے کی مہر اور اشرفی کا ٹھپہ لگا دیا اور وہ انھیں کا گن گانے لگے، ان کے دماغ ان سے باغی، ان کے دل ان سے بیزار لیکن ان کی زبانیں ان کی مدح و توصیف میں سرشار تھیں۔

لیکن محبت کی فتح ان سب فتوحات سے نرالی ہے، ایسی نرالی کہ اس کو فتح کہتے ہوئے بھی محبت سے معذرت کرنی پڑتی ہے، اور اس میں اس کی کچھ حق تلفی یا ناشناسی کی بو آتی ہے، اس لئے کہ محبت نے اور اہل محبت نے اکثر کھو کھو کر پایا ہے، اور ہار ہار کر جیتا ہے اس کو کسی ہم جنس کی طرف، کسی اشرف المخلوقات انسان کی طرف، کسی صاحب ضمیر ہستی کی طرف شکست کی نسبت کرنے سے بھی تکلیف محسوس ہوتی ہے، اور اپنی انسانیت دوستی

اپنے لطیف جذبات اور اپنے نازک احساسات سے نغمے آنے لگتی ہے، بادشاہوں فاتحین عالم اور مادی طاقت رکھنے والوں کا اس اصول پر عقیدہ اور عمل تھا کہ "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری" اور اہل محبت کا اس اصول پر کہ بانس بھی رہے اور بانسری بھی صرف اس کا نغمہ بدل جائے، اس سے پہلے نفرت و عداوت کے گیت نکلتے تھے، اور اب محبت شکر و اعتراف کے گیت نکلنے لگیں، بادشاہوں اور طاقتوروں کا اصول یہ تھا کہ دشمن کو فنا کر دیا جائے، اہل محبت کا اصول یہ تھا کہ دشمن کو دوست نہیں، بلکہ عاشق بنا لیا جائے، اس اصول کا کرشمہ یہ تھا کہ جو خون کے پیاسے ہو کر آتے تھے، وہ ان کا کلمہ پڑھنے اور ان کا دم بھرنے لگتے تھے اور ساری عمر ان کی چوکھٹ پر گزار دیتے تھے۔

اس اصول پر سب سے زیادہ خدا کے پیغمبروں مذہبی پیشواؤں اور سچی روحانیت اور بے لوث محبت کے علمبرداروں نے عمل کیا۔

مذہب، اخلاق اور روحانیت اور فقر و تصوف کی تاریخ ان مثالوں سے بھری ہوئی ہے کہ آدمی جان لینے آیا اور ان کے دربار میں جان و دل دونوں کھو بیٹھا، میں نے غلط کہا کہ اس نے کھو دیا، نہیں! بلکہ سب کچھ پا لیا، اپنے آپ کو بھی پا لیا، اپنی نامعلوم صلاحیتوں کو، حسن و احسان کو، انس و محبت کو، ہر انسان کے اندر محبت کرنے، قدر کرنے اور اثر لینے کی جو صلاحیت ہے، اس نے نہ صرف اس کو دریافت کر لیا بلکہ اس کا مزہ چکھ لیا اور پھر ساری عمر اس کا مزہ لیتا رہا، وہ اپنے کو نہیں پہچانتا تھا، جان گیا، کولمبس کو نئی دنیا دریافت کرنے سے اتنی خوشی نہ ہوئی ہوگی، جتنی اس کو اپنی دنیا دریافت کر لینے سے خوشی ہوئی،

اقبال ہی کی زبان سے سنئے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی　　تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
من کی دنیا من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق　　تن کی دنیا تن کی دنیا شود و سود اکر و فن

کتنے آدمی تھے، جن کے دل و دماغ میں شک و انکار کی گرہیں پڑی ہوئی تھیں، فلسفہ و منطق علم و استدلال جتنا ان گرہوں کو سلجھانا چاہتا تھا، اتنی ہی اور نئی نئی گرہیں پڑتی جاتی تھیں ان اہل دل اور اہل محبت کی ایک نگاہ دلنواز اور آنکھوں کی ایک چمک اور لبوں کی ایک مسکراہٹ نے برسوں کی دماغ کی گرہیں، اور دل کی سلوٹیں دور کر دیں، حسرت نے اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔

دلوں کو فکر دو عالم سے کر دیا آزاد　　ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

اور اقبال نے کہا ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو　　عجب چیز ہے لذت آشنائی

یہاں پر میں ہندوستان کے ایک عظیم روحانی پیشوا اور صوفی حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا ایک واقعہ بیان کروں گا، اس سے اندازہ ہوگا کہ محبت، و مروت میں، شرافت و اخلاق میں اور عفو و درگزر میں کیا جادو، کیسی موہنی اور فتح و تسخیر کی کیسی طاقت ہے خواجہ صاحب کے یہاں دستور تھا کہ جو لوگ ملنے آتے تھے، وہ اکثر کوئی بے تکلف نذر اور تحفہ لے آتے تھے، خواجہ صاحب تو عموماً روزہ سے ہوتے تھے، اور یوں بھی ان کو کھانے پینے سے زیادہ دلچسپی نہ تھی، یہ سب غریبوں، اور مہمانوں کے کام آتا، ایک مرتبہ ایک بہت پڑھے لکھے

آدمی فلسفی قسم کے امتحان کے طور پر آنے والوں کے مجمع میں شامل ہو گئے، انھوں نے سوچا کہ بہت سے آدمی نذر و تحفہ لاتے ہیں، خواجہ صاحب کو کیا پتہ چلے گا کہ کون کیا لایا انھوں نے راستہ سے اٹھا کر مٹی کی ایک پڑیا باندھ لی اور سب لوگوں کے تحفہ کے ساتھ مٹی کی وہ پڑیا بھی رکھ دی خواجہ صاحب کے یہاں دستور تھا کہ جب تحفے جمع ہو جاتے تو آپ اپنے خادم خاص خواجہ اقبال سے فرماتے کہ اس کو اٹھاؤ وہ لے جا کر اس کو متعلقین میں تقسیم کر دیتے اس دن بھی ایسا ہی ہوا خواجہ صاحب نے اشارہ کیا اور خواجہ اقبال سب تحفوں کو سمیٹ کر لے جانے لگے جب اس پڑیا کی باری آئی تو آپ نے فرمایا کہ اس پڑیا کو رہنے دو یہ میری آنکھوں کا سرمہ ہے خواجہ صاحب کو خیال ہوا کہ اگر راز فاش ہو گیا تو ان عالم صاحب کی خیر نہیں، بزرگان دین کسی کی توہین اور ذلت برداشت نہیں کر سکتے، اور دل توڑنا ان کے مذہب میں روا نہیں، وہ فاضل آپ کی یہ ادا دیکھ کر اس شمشیر محبت کے گھائل اور آپ کی محبت و عظمت کے قائل ہو گئے وہیں قدم پکڑ لئے اور عمر بھر انھیں کا دم بھرتے رہے۔

انھیں حضرت محبوب الٰہی کا مقولہ ہے کہ عداوت کا جواب عداوت، نفرت کا جواب نفرت، اور مخالفت کا مخالفت نہیں، عداوت کا جواب دوستی اور خیر خواہی، نفرت کا محبت اور بدی کا نیکی ہے، فرماتے تھے کہ اگر کانٹے کے ساتھ کانٹا رکھ دیا جائے تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے اور کانٹوں کا ڈھیر لگ جائے گا، اس سے کچھ فائدہ نہیں، یہ بھی فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ سیدھے کے ساتھ سیدھا رہے اور ٹیڑھے کے ساتھ ٹیڑھا؛ اور میں کہتا ہوں کہ سیدھے کے ساتھ بھی سیدھا رہے، اور ٹیڑھے کے ساتھ بھی سیدھا، چنانچہ ان کا ساری عمر اسی پر عمل رہا۔

ایک شخص خواہ مخواہ مخالف اور دشمن تھا اور موقع بے موقع برا بھلا کہتا رہتا تھا، جب اس کا انتقال ہوا تو اس کے یہاں تعزیت کو گئے دو رکعت نماز پڑھی اور اس کے لئے بہت دعا کی اور کہا کہ خدایا میں نے اس کو معاف کیا تو بھی اس کو معاف کر، انھیں کے سلسلہ کے ایک بزرگ شاہ مینا صاحب جن کی عمر لکھنؤ میں گذری اکثر فارسی کے دو شعر پڑھا کرتے تھے ۔

ہر کہ مارا یار نبود ایزد اورا یار باد ہر کہ مارا رنج دادہ راحتش بسیار باد
ہر کہ او خارے نہد در راہ ما از دشمنی ہر گل کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

ان اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ (خدایا جو میرا دوست نہ ہو تو اس کا دوست رہنا، خدایا جس نے مجھے تکلیف پہونچائی اس کو بہت راحت عطا فرما جس نے میرے راستے میں کانٹے بچھائے خدا کرے اس کے گلشن حیات میں جو پھول کھلیں بے خار رہیں) اور یہ سب در حقیقت انکے مذہب کی تعلیم اور اس پیغمبر کا عمل تھا جس پر انکا ایمان تھا قرآن شریف میں ہے کہ نیکی اور بدی برابر نہیں تم بدی کا جواب بہت زیادہ نیکی سے دو اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ جس شخص کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ تمہارا جگری دوست بن جائیگا

ہندستان کی تاریخ میں ایسے واقعات کی کمی نہیں قانون قدرت ہمیشہ سے ایک ہے خدا نے جن چیزوں میں جو اثر پیدا کر دیا ہے ہزاروں لاکھوں برس سے وہ اثر چلا آرہا ہے۔ محبت میں اب بھی وہی تاثیر ہے، جو کام وہ کر سکتی ہے کوئی اور طاقت نہیں کر سکتی تجربہ شرط ہے تھوڑی ہمت تھوڑے سے صبر اور تھوڑی تحمل کی ضرورت ہے آئیے اقبال کی آواز میرا ایک بار پھر پڑھیں۔

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں